کیرتن کی بیٹھک کرتا ہے اور دور دور کے ہندو سکھ اس سبھا میں ارداس کرنے آتے ہیں۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہے؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

میں نے کہا "جن لوگوں نے گوہائی میں ان کے شبد کیرتن میں حصہ لیا ہے انہوں نے خود مجھے بتایا ہے کہ گرنتھی بھائی بالی بہت اونچے درجے کے گیانی ہوگئے ہیں لیکن ان کی صحت دن پر دن گرتی جارہی ہے۔"

"میں نہیں سمجھتا ان کی صحت گرتی جارہی ہے' طالوت نے یقین بھرے لہجے میں کہا" میں تو بلکہ یہ کہوں گا کہ وہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ صحتمند' زیادہ پرسکون اور زیادہ خوش باش ہوگئے ہیں۔

میں نے اس سے یہ تو نہیں پوچھا کہ "آپ کو کس نے بتایا؟" لیکن میری مشکل کچھ ایسی بن گئی تھی کہ میرے سارے وجود کا نچوڑ اس سوال میں ڈھل گیا تھا۔

طالوت خان نے میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر محبت سے دبایا اور بڑی عقیدت کے ساتھ کہا "ہم سے ملنے کے بعد تو بھائی بالی واپس انڈیا گئے ہی نہیں پھر وہ گوہاٹی کس طرح سے پہنچ گئے؟"

اب کی بار میں زور سے چیخا مگر ان سے پوچھ نہ سکا کہ "پھر وہ کہاں ہیں؟"

طالوت خان نے میری چیخ کے جواب میں کہا "وہ ہمارے پاس ہیں اور ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔"

"یہاں؟ پشاور میں؟ اس جگہ؟ آپ کے پاس؟"

طالوت نے کہا "یہاں تو نہیں البتہ ہیں ہمارے ساتھ۔ ہم ادھر ہوتے ہیں اور وہ مستقل طور پر وڑہ مام میں ہیں۔ لیکن ہمارا آنا جانا رہتا ہے۔ میل ملاقات رہتی ہے۔"

"وڑہ مام!" میں نے حیرت سے پوچھا تو طالوت نے بڑی آسانی سے کہا "نورستان میں ہے۔ افغانی نورستان میں۔"

میں نے کہا "بھائی بالی صاحب نورستان میں رہتے ہیں؟ افغانستان کے علاقے میں؟ ان حالات میں؟"

طالوت نے کہا "اب تو روسی فوجیں پسپا ہو کر واپس جارہی ہیں۔ اب حالات ویسے نہیں البتہ اس زمانے میں بہت خراب حالات تھے جب انہوں نے اس سرزمین کو پسند کیا۔"

پھر طالوت نے ادھر ادھر دیکھا جیسے بیٹھنے کی کوئی جگہ تلاش کر رہا ہو لیکن میں نے

WWW.PAKS

اسے اس کا موقع نہیں دیا۔ میں نے اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر جھنجھوڑا اور اس کا سارا وجود ہلاتے ہوئے کہا "مجھے ابھی اسی وقت اسی لمحے کھڑے کھڑے یہ بتاؤ کہ میرے مرشد وہاں کیسے پہنچے اور کس نے انہیں اس خطرناک علاقے میں لے جانے پر مجبور کیا۔"

طالوت نے کہا "جب ہم حسن ابدال سے آپ کو لاہور روانہ کرنے کے بعد پشاور جانے لگے تو بھائی اقبال سنگھ نے کہا "اگر میں آپ کے ساتھ خود پشاور جا کر کیمرہ تلاش کر سکوں تو کیا یہ زیادہ اچھا نہیں ہوگا؟" جلال یار نے کہا "یہی رائے تو میں آپ کو دے رہا ہوں کہ انڈیا سے اتنی دور آئے ہیں۔ کیمرے کی تلاش ہے۔ پشاور دو چار ہاتھ پر رہ گیا ہے۔ خود ہی چل کر دیکھیں اور خود ہی پسند کر کے خریدیں اور اگلے دن واپس آ جائیں اگر زیادہ جلدی ہو تو اسی شام واپس آ جائیں۔"

"اور بھائی باہلی آپ کے ساتھ پشاور جانے پر تیار ہو گئے" میں نے تلملا کر پوچھا۔

"تیار کیا ہو گئے" طالوت نے کہا "وہ ہمارے ساتھ آ گئے..... یہاں تین طرح کے روسی کیمرے تھے اور تینوں کے درمیان انتخاب مشکل تھا۔ ہر ایک اپنی اپنی جگہ ہیرا تھا لیکن ماسٹر باہلی صاحب تینوں خرید نہیں سکتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنی کلارنٹ فروخت کرنے کا بھی سوچا لیکن میں نے منع کر دیا کہ ایسی نایاب چیز پھر نہیں ملے گی۔ اس کو رہنے دیں۔ دو چار سو کی ضرورت ہو تو ہم حاضر کر دیتے ہیں لیکن کلارنٹ نہ بیچیں۔ وہ ہنس کر کہنے لگے نہ یہ کلارنٹ کوئی سوغات ہے نہ وہ کیمرہ کستوری کی گانٹھ ہے بس ایسے ہی کھیل تماشا سا ہے اور اسی کھیل تماشے کے ساتھ دل لگانا ہے۔"

پھر لے لیا انہوں نے کیمرہ؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"لے لیا اور سب سے اچھے والا لیا۔ ہم نے اس سے بہت سے فوٹو اتارے۔ کچھ ہمارے پاس ہیں کچھ انہوں نے رکھ لئے..... اگلے روز ہم کو افغانستان میں غزا پر جانا تھا۔ ہماری بڑی مضبوط چھاپہ مار پارٹی تھی اور ہم نے کندوز کے علاقے میں روسی ٹینکوں کے چھکے چھڑا دیئے تھے اور ایک مرتبہ پھر ہم کو ادھر جانے کا امر ہوا تھا اس لیے ہم نے ماسٹر باہلی صاحب سے اجازت طلب کی اور اپنے ڈیرے پر آ گئے۔ وہ اپنے کیمرے کو دو لفافوں میں لپیٹ کر اور پلاسٹک کے تھیلے میں ڈال کر اپنے ہوٹل چلے گئے۔

پروانہ ہوٹل ریلوے سٹیشن کے بالکل قریب تھا اور اس کے اردگرد افغانی پناہ گزینوں اور افغانی جانبازوں کے ڈیرے تھے اور ان پناہ گزینوں میں کچھ تعداد کابلی سکھوں

OCIETY.COM

کی بھی تھی۔

صبح جب ہم غزا کے لیے چلنے لگے تو ماسٹر باہلی سنگھ اپنے کیمرے کا تھیلا اور کلارنٹ کا کیس اٹھا کر ہمارے ڈیرے پر پہنچ گئے اور سنجیدگی سے بولے "میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا۔"

میں، میرے ساتھی اور گروپ کا سردار یہ اعلان سن کر حیران رہ گئے۔ ان کو ساتھ لے جانا تو کوئی ایسا مشکل کام نہیں تھا لیکن حفاظت خود اختیاری کے تحت ایک انڈین کو ایسے حساس مقام پر ساتھ لے جانا جنگی مصلحت کے خلاف تھا۔

کندوز کا علاقہ شمالی افغانستان کا علاقہ تھا اور یہاں احمد شاہ مسعود کا عمل دخل تھا جو کٹر دینی مجاہد ہونے کے باوجود روسیوں کے ساتھ گہری وابستگی رکھتا تھا۔ گوروسیوں کے ظلم و ستم اور روزمرہ کی مار دھاڑ نے اس کو کافی بددل کر دیا تھا لیکن پھر بھی وہ اپنے نظریاتی جھکاؤ کے باعث ان کی دوستی کا دم بھرتا تھا اور اندر سے نہیں چاہتا تھا کہ روسی اس طرح سے واپس جائیں جس طرح سے کہ ان کو جانا پڑ رہا تھا۔

جلتی بجھتی لڑائی اب بھی افغانستان میں جاری تھی اور دنیا کی عظیم ترین سپر پاور پتھروں سے سر پھوڑ کر واپس جا رہی تھی۔ احمد شاہ مسعود نہیں چاہتا تھا کہ یہاں وسطی افغانستان جیسے ملاؤں کا زور بڑھ جائے لیکن زور پھر زور ہے۔ بڑھتا ہے تو بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ روسی فوجی دلوں کے اندر نفرت کی، آنکھوں میں انتقام کی اور گھروں کے اندر اور باہر نارنجی شعلوں کی آگ بھڑکا کر جا بھی رہے تھے اور ظلم بھی کر رہے تھے۔

افغانی ان کے خلاف پورے زور سے جہاد کر رہے تھے اور ان کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے تھے لیکن اپنے مزاج سے مجبور اور اپنی سرشت کے آگے سرنگوں آپس کے اختلافات مٹانے سے معذور تھے۔ ہر سردار نے اپنے اپنے علاقے کی پشتیبانی کی ہوئی تھی لیکن ان کے درمیان ہم آہنگی اور یگانگت کی کوئی ڈوری نہیں تھی۔

"پھر تم نے ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟" میں نے پوچھا۔

طالوت مسکرایا اور آنکھیں بند کر کے بولا "وہی سلوک جو ایک فریڈم فائٹر دوسرے فریڈم فائٹر سے کرتا ہے..... سکھ بھی تو اپنی آزادی کے لیے لڑ رہے ہیں۔ میں نے کہا کوئی پروا نہیں۔ ہرچہ باداباد..... ماسٹر باہلی سنگھ ہمارے ساتھ محاذ پر جائے گا اور ہمارے ساتھ لڑے گا۔

طالوت نے کہا "لڑنے کا نام سن کر ماسٹر صاحب ذرا گھبرائے اور ڈاڑھی کھجا کر

بولے "ہم بھنتری لوگ ہیں۔ گا بجا کر سندھیا کرتے ہیں ہمارا لڑنے بھڑنے سے کیا کام۔"

"لیکن ہم نے ڈھاٹا بندھوا کران کو اپنے ساتھ جیپ میں بٹھا لیا اور چترال روانہ ہو گئے۔ لواری ٹاپ ان دنوں کھلا تھا اور تجارتی ٹرکوں اور مال واسباب کی گاڑی کے بجائے وہاں مجاہدین کی آمد ورفت زیادہ تھی...... ہم ماسٹر صاحب کو لے کر چترال کے راستے تنگیاب گھاٹی سے نورستان اتر گئے۔"

"جیپ لے کر؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"نا بابا" طالوت نے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا "جیپ ادھر کدھر جاتی ہے۔ وہاں تو پیدل ہی سفر کرنا پڑتا ہے۔ جیپ ہم نے چترال ہیڈ کوارٹر میں چھوڑ دی اور خدا کا نام لے کر گھرے نورستان میں اتر گئے...... راستے میں "جونی" پر درختوں کی خوشبو پر ماسٹر صاحب ایسے موہت ہوئے کہ انہوں نے خوشبودار پتے کھسوٹ کھسوٹ کر اپنی ساری جیبیں بھر لیں اور کلارنٹ کے کیس میں بھی "جونی پر" کے لپٹ دار پتے بھر لیے۔"

"کلارنٹ وہ ساتھ لے گئے۔ محاذ جنگ پر؟" میں نے حیرانی سے پوچھا تو طالوت نے ہنس کر کہا "یہی تو ایک ان کے پاس ہتھیار تھا' اپنی حفاظت کے لیے۔ دوسروں پر حملہ آور ہونے کے لیے۔ گلے میں حمائل کرنے کے لیے!"

پھر وہ ذرا سارک کر بولا "پشاور میں انہوں نے کلارنٹ کیس کے ساتھ ہولسٹر کی ایک چرمی بدھی فکس کر لی تھی اور وہ اس بدھی کو کندھے پر ڈال کر یوں چلتے تھے جیسے انہوں نے پستول لٹکایا ہوا ہو۔ تنگیاب گھاٹی سے اترتے ہوئے اس ظالم کیس نے ہٹو کے مار مار کران کا پہلو زخمی کر دیا لیکن وہ ہنسی خوشی ہمارے ساتھ نیچے اترتے گئے۔

"سٹنگر میزائل نے لڑائی کا نقشہ بدل دیا تھا اور افغان مجاہد سٹنگر چلانے کے ایسے ماہر ہو گئے تھے کہ اس کے موجد بھی ہنگام دار و گیر اس کی باریکیوں سے اس قدر واقف نہ ہوں گے تاہم نوجوانوں کے مقابلے میں بڑی عمر کے افغان اس کو زیادہ بہتر انداز میں چلاتے تھے اور اس سے سو فیصد مطلوبہ نتائج حاصل کرتے تھے۔ پھر بھی روس ایک سپر پاور تھی اور اس کے اندر غرور کی ایسی ترچڑھی تھی کہ اسے پورے طور پر پسپا کرنا ابھی دور تھا۔"

میں نے طالوت کی لمبی گفتگو کو بیچ ہی میں کاٹتے ہوئے کہا "لیکن وہ اس وقت کہاں ہیں۔ میرے گورو' میرے مرشد' میرے وطنی' میرے ہادی؟"

اس نے کہا وہ ابھی وہیں ہیں۔ افغانستان میں۔ سنگانہ کے علاقے میں گاؤں کے ساتھ

OCIETY.COM

والی چھوٹی بستی میں....."

اور سنگانہ کہاں ہے؟" میں نے بیتابی سے پوچھا۔

"یہ پنج شیر کا ایک گاؤں ہے۔" طالوت بولا "ایک طرح سے ہمارا ہیڈ کوارٹر تھا لیکن پھر ہم کو یہاں سے بھاگنا پڑا۔"

"کیوں؟ بھاگنا کیوں پڑا؟"

"اسے روسیوں نے بل ڈوز کر کے کھنڈر بنا ڈالا۔ سارے گھر گرا دیئے۔ بہت سے لوگ مارے گئے باقی کے عورتوں اور بچوں کو لے کر بھاگے۔"

پھر وہ سنگانہ کی یاد میں کھو گیا اور کہنے لگا "یہ ایک بہت ہی خوبصورت بستی تھی جہاں میرے ننھیال کا گھر تھا۔ ہمارے گھر کا صحن بہت کھلا تھا جس میں تاکستان تھے' اور اعلیٰ درجے کے انگور پیدا ہوتے تھے۔ ساری کھیپ ستمبر کے مہینے میں پک کر بے حد میٹھی اور لب دوز ہو جاتی تھی۔ ایسے انگور جنت میں ملتے ہوں تو شاید' ورنہ اس دنیا میں سوائے سنگانہ کے اور کہیں نہ ملتے تھے۔ لیکن اب سارے تاکستان اجڑ چکے ہیں اور وہاں انگور نام کی کوئی شے دستیاب نہیں۔"

پھر وہ خاموش ہو گیا اور بڑی دیر تک اسی طرح سے خاموش بیٹھا رہا۔

میں نے دیکھا اس کے چہرے پر کرب کے آثار پیدا ہونے لگے تھے اور وہ شدت غم سے کانپنے لگا تھا۔ مجھ میں اس سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی۔

اس نے اپنے چہرے پر دعا مانگنے کے انداز میں ہاتھ ملے اور مطمئن ہو کر بولا "روسی ہماری بستی سے میرے والد کو پکڑ کر لے گئے۔ اس پر پٹرول کا چھڑکاؤ کیا اور پھر اس کو دیا سلائی دکھا دی۔

میرا والد جلتا رہا' بھنتا رہا' سلگتا رہا لیکن اپنی جگہ سے نہیں ہلا وہیں کھڑے کھڑے کوئلہ ہو گیا۔ روسیوں کا خیال تھا مرنے سے پہلے وہ ان کو رقص بسمل دکھائے گا اور وہ تالیاں بجا بجا کر اپنی بھدی دھن پر فتح کا ترانہ گائیں گے لیکن ایسا نہیں ہوا..... اس کے بعد میرے چاروں بھائی روسیوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ایک بھائی کابل جیل میں ہے اور میں یہاں ہوں۔"

پھر اس نے اچانک پوچھا "اپنے مرشد سے ملو گے؟"

میں نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا "ضرور..... ہر حال میں..... ابھی' اسی وقت!"

WWW.PAKS

اس نے کہا "کل تو چترال کی فلائٹ نہیں ہے۔ پرسوں چلیں گے۔"

آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔ بلکہ کوئی بھی نہیں کر سکتا کہ میں نے کس مشکل سے یہ وقت گزارا اور کیسے کیسے گھڑی دیکھ کر اور بازار کے چکر لگا لگا کر رات کو دن میں اور دن کو رات میں تبدیل کیا۔ میں تو انڈیا کا ویزا اور گوہاٹی تک پہنچنے کی سفارشی چٹھی لینے آیا تھا اور مجھے اس سے بالکل الٹی سمت سفر اختیار کرنے کا حکم ہو گیا..... حکم بھی عجیب سمندر ہے جب پھیلتا ہے تو ہر فیصلہ' ہر حکمت ہر منطق' ہر منصوبہ اور ہر تجویز اس کی لپیٹ میں آجاتی ہے۔ جب لہر واپس جاتی ہے تو ریت پر کوئی نشان بھی باقی نہیں رہتا۔ سارا ساحل پھر سے کنوارا ہو جاتا ہے۔

OCIETY.COM

۲۷

چترال پہنچ کر طالوت نے مقامی مرکز سے تین برقنداز غلام نبی' احمد شاہ اور اعظم اپنے ساتھ لیے اور ہم شام کے اندھیرے میں ان کے مانوس راستے سے نورستان کی طرف اترنے لگے۔ اتنا لمبا پیدل سفر میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ چترال سے سیدھے پیشہ وارک' وہاں سے جنوب کی جانب برگ متقل اور پھر وہاں سے درہ سم کے راستے کانتی وار کی جانب۔

سفر کے دوران ہم نے ایک رات پاپرک کے چائے خانے میں بسر کی۔ غلام نبی بتا رہا تھا کہ میں امام صاحب کا رہنے والا ہوں اور چار دڑہ کے مقابلے میں مجاہدین کے ساتھ تھا جب ایک سو ستر روسی ٹینکوں نے چار دڑہ میں داخل ہو کر یکے بعد دیگرے فائر کھول دیا۔ مجاہدین ان کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے اس لیے ہم گاؤں کے اندر مختلف مقامات پر پھیل گئے اور مقابلہ شروع ہو گیا۔ جب ہم نے چھتیس روسی ٹینکوں کو تباہ کر دیا تو روسیوں نے شہریوں سے لڑنا شروع کر دیا۔ انہوں نے تین چار سو گھر تباہ کر دیئے تو مجاہدوں نے روسیوں کو گھیرے میں لے لیا اور ان پر نشانہ باندھ کر فائر کرنے لگے۔ عین اس وقت چالیس پچاس روسی جہاز پر لاباندھ کر کندوز کی طرف سے آئے اور انہوں نے سٹرافنگ کر کے روسی محاصرین کے گرد مجاہدین کا گھیرا توڑ دیا۔ اس جھڑپ میں ایک روسی جرنیل مارا گیا اور مجاہدین ہوائی حملے کی تاب نہ لاتے ہوئے پسپا ہو گئے۔

اپنے جرنیل کی موت کا بدلہ لینے کے لیے روسیوں نے قصبے کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور ساڑھے سات سو افراد کو گولیوں سے بھون دیا۔

روسی سپاہی بہت سے قالین' کیسٹ پلیئر اور نقدی لوٹ کر خوش ہو گئے۔ پھر انہوں نے نو عمر افغان لڑکوں کو درختوں کے ساتھ کھڑے کر کے گولیوں کا نشانہ بنایا اور قصبے کی عورتوں کی چھاتیاں کاٹ دیں۔

غلام نبی نے کہا "یہ روسی سارے خوک صفت انسان ہوتے ہیں۔ نہ ان کے دلوں میں رحم ہوتا ہے نہ ان کے سروں پر رحمت ہوتی ہے۔ ان کی شکل و صورت تو انسانوں جیسی ہے لیکن یہ انسان ہوتے نہیں۔ بس ایسے ہی انسان نما لگتے ہیں..... انہوں نے افغانستان پر ایسے ایسے ظلم کیے ہیں کہ کوئی ان کی روداد لکھ نہیں سکتا۔ لکھے گا تو درمیان میں ہی دہل کر مر جائے گا۔

ہم ابھی یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ چائے خانے کے لڑکے نے آکر کہا "ہمارے اوپر سے روسی جہاز گزر رہے ہیں۔"

طالوت نے دونوں کانوں کے پیچھے ہاتھ کر کے غور سے سننے کی کوشش کی تو غلام نبی اور احمد شاہ نے ایک ساتھ کہا "غور کرنے کی کیا ضرورت ہے ان کی گھوں کر تو صاف سنائی دے رہی ہے۔"

واقعی ان کی گھوں کر صاف سنائی دے رہی تھی اور وہ بہت نیچی پرواز میں بستی کے اوپر سے گزر رہے تھے۔

اعظم نے کہا "سارے واپس نہیں جا سکیں گے۔ اگلے موڑ پر کوئی سنگر ان سے ٹکرائے گا ضرور۔ اور جب ایک کھڑاکا ہو گیا تو پھر کئی عاشق مزاج سنگر بوسہ بازی کے لیے اوپر لپک آئیں گے۔"

ہم ابھی یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ چائے خانہ کے مالک نے لڑکے کو بھیجا کہ مہمانوں سے کہیے کہ چارپائیوں سے اٹھ کر بڑے پتھروں کی اوٹ میں چلے جائیں "مصافحہ" شروع ہو گیا ہے۔"

طالوت نے اپنا تکیہ اٹھاتے ہوئے مجھ سے کہا "اپنا تکیہ اور چادر لے لیں۔ آپ نے پتھروں پر کوئی رات نہیں گزاری ہو گی۔ یہ بھی خدا کی ایک رحمت ہے۔"

ہم اپنے اپنے تکیے اٹھا کر کھڑے پتھروں کی اوٹ میں چلے گئے اور ہم سے تھوڑی دور بمباری بھی ہوتی رہی اور نشانہ بازی بھی اپنے عروج پر رہی۔ غلام نبی اور اعظم خراٹے لینے کے عادی تھے لیکن احمد شاہ اپنی نیند سویا ہوا تھا۔ گہری اور میٹھی نیند۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر۔ طالوت حق میزبانی ادا کرنے کے لیے میرے ساتھ جاگ رہا تھا اور مجھ سے بار بار کہہ رہا تھا "یہ آپریشن ہم سے کافی دور ہے۔ خطرے کی کوئی بات نہیں۔ لیکن پھر بھی بے آرامی اور بے لطفی کا وقت ضرور ہے۔ آئی ایم سوری۔"

صبح جب ہم پتھروں کے اندر سے برآمد ہوئے تو موسم بڑا صاف اور ماحول بالکل

شفاف تھا۔ دھوپ نکل آئی تھی اور ہر طرف ایسا سکون تھا جیسے یہاں کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

ہم پہاڑوں میں گھرے سبزے کی بہت سے مزین علاقے سے گزر رہے تھے۔ طالوت اور غلام نبی میرے آگے تھے اور اعظم اور احمد شاہ میرے پیچھے۔ راستہ بھر انہوں نے یہی التزام رکھا تھا۔ اتنا لمبا سفر پیدل طے کرنے سے میرے پاؤں متورم ہو گئے تھے اور تھکاوٹ کی وجہ سے میرے قدم ڈگمگانے لگے تھے۔ لیکن یہ عزت کا معاملہ اور محبت کا مظاہرہ تھا میں کسی طرح سے بھی اپنی ماندگی ان پر ظاہر نہیں ہونے دینا تھا۔

کوئی ایک ڈیڑھ میل چلنے کے بعد طالوت نے کہا "آپ کے پیشوا ماسٹر بابلی سنگھ اس علاقے میں بہت مشہور تھے۔ لوگ انہیں "باجے والا جوگی" کہہ کر پکارتے تھے۔ وہ صبح ایک پہاڑی ٹیلے کی چونچ پر بیٹھ کر اپنے کلارنٹ پر کوئی مشکل سا راگ بجاتے تھے اور شام کے وقت کسی اور پہاڑی پر چڑھ کر ایسی سوانگتی دھن بجاتے کہ تھکے ہارے کسان زخمی مجاہد اور بھوکے ڈھور ڈنگر بستی کی طرف آتے ہوئے شادمانی اور کامرانی سے بھر جاتے تھے..... میں نے ہوائی حملوں کے درمیان کئی مرتبہ ان کو اسی طرح پہاڑی پر بیٹھے تانیں اڑاتے اور بدن لہراتے دیکھا تھا جب کہ اردگرد کی عورتیں اور بچے پکار پکار کر ان کو اتر آنے کے لیے اور چھپ جانے کے لیے کہتے تھے۔ کئی مرتبہ بڑی عمر کی کوچی عورتیں انہیں پتھر مار مار کر اور گالیاں دے دے کر نیچے اتر آنے کو کہتی تھیں لیکن ان کو کچھ سنائی ہی نہ دیتا تھا۔ وہ اپنی توتی کا منہ اوپر اٹھا کر بم پھینکتے طیاروں کو منع کرتے جاتے تھے اور ان کی مناہی کی کڑک' دھڑک اور پھر عاجزی' بے بسی اور لاچاری کے بین پہاڑوں کے اندر اتنی شدت سے گونجنے لگتے تھے کہ طیاروں کے اندر گولہ پھینکنے والی مشینیں رنجک چاٹ جاتی تھیں۔

یہاں کے لوگ تو نہیں جانتے لیکن میں نے ہر مرتبہ بپھرے ہوئے جہازوں کو بڑی شرمندگی کے ساتھ واپس جاتے ہوئے دیکھا۔

میں نے کہا "لیکن ان کی ملاقات میں اب کتنی مسافت حائل ہے۔"

طالوت نے کہا "ابھی تو کچھ دیر ہے اور کچھ لمبا ہی فاصلہ ہے لیکن ان سے آپ کی ملاقات آج دوپہر سے پہلے پہلے ہو جائے گی۔"

"اور اگر وہ بستی میں نہ ہوئے..... پھر!" میں نے خوفزدہ ہو کر پوچھا۔

"انہیں کہیں اور کہاں جانا ہے" غلام نبی نے یقین سے کہا "بستی کے لوگ ان کو دور جانے ہی نہیں دیتے۔"

ہمارے دائیں ہاتھ پر ایک چھوٹا سا گاؤں بمباری سے زمین بوس ہو چکا تھا۔ کچے پکے گھر سب مسمار ہو چکے تھے۔ پہاڑ کی اوٹ پتھر کی ایک گرانڈیل دیوار کو سہارا دئے کھڑی تھی۔ اس دیوار کے ساتھ ایک کمرہ اپنی نارمل صورت میں موجود تھا۔ جن لوگوں کے یہاں گھر تھے وہاں اب انہوں نے جھونپڑیاں اٹھالی تھیں۔ کچھ نحیف و نزار بکریاں اور دنبے ان جھونپڑیوں کے گرد بندھے تھے۔ عورتیں کھانے پکانے میں مصروف تھیں۔ لڑکے بالے قریب قریب کھیل رہے تھے اور سارے گاؤں پر مایوسی اور پژمردگی کی فضا مسلط تھی۔

طالوت نے وہاں رک کر ہاتھ کے اشارے سے کہا "یہ اس بستی کے سردار کا گھر تھا۔ اس کی خوبصورت بالکنی پر اخروٹ کا ایک گرانڈیل درخت چھایا ہوا تھا جس میں بے شمار پرندے شام کے وقت بسیرا لیتے تھے۔ بالاخانے کے آخر میں ایک صاف ستھری بیت الخلا تھی جو افغانستان کے دیہی علاقوں میں ایک کمیاب چیز ہے..... ہم اس پہاڑ کی اوٹ میں گھات لگا کر بیٹھے تھے۔ ہمیں اطلاع ملی تھی کہ سہ پہر کے قریب روسیوں کی ایک جیپ اس طرف ریکی کرنے آئے گی جس پر واپسی کے سارے راستے مسدود ہونے بہت ضروری ہیں کہ وہ یہاں سے کوئی اطلاع لے کر اپنے یونٹ تک نہ پہنچ سکیں۔ یہ کام کچھ ایسا مشکل نہیں تھا۔

تین بج کر کچھ منٹ پر یہ جیپ آئی۔ اس کے چاروں کناروں پر آٹومیٹک مشین گنیں لگی تھیں اور اس میں پانچ روسی سوار تھے۔

ہم اپنی اپنی کلاشنکوف سنبھال کر الرٹ ہو گئے۔

جیپ رکی اور اس میں سے تین روسی اتر کر اور اپنی آٹومیٹک بستی کی طرف تان کر آگے بڑھے۔ دو لڑکے خوفزدہ، متجسس، حیران ان کے سامنے آگئے۔ ایک بڑا تھا کوئی دس گیارہ سال کا ایک چھوٹا پانچ ساڑھے پانچ سال کا۔ ایک روسی سپاہی نے چھوٹے کو کندھے سے پکڑ کر اپنی طرف اشارہ کیا اور پوچھا "دوست کہ دشمن؟"

چھوٹے بچے نے خوف سے کانپتے ہوئے کہا "دوست۔"

روسی نے اس کے کندھے پر تھپکی دی تو اس کے بڑے نے زمین پر نفرت سے تھوک کر کہا "دشمن دشمن!!" اور پھر سر اونچا کر کے کھڑا ہو گیا۔

دوسرے سپاہی نے آگے بڑھ کر زور سے اس کے منہ پر طمانچہ مارا اور زمین پر اپنا فل بوٹ مار کر کہا "دوست! دوست!!"

اس لڑکے نے پھر کہا "دشمن دشمن۔"

OCIETY.COM

سپاہی نے اسے گریبان سے پکڑ کر زمین پر پٹخا اور اس کی پسلیوں میں زور کا ٹھڈا مارا۔ لڑکا درد سے چیخا اور چیختے ہوئے بولا "دشمن دشمن!!"

چھوٹا لڑکا اونچے اونچے رونے لگا لیکن کوئی اس کی مدد کو نہ آیا۔ بستی کے اندر عورتیں زیادہ تھیں اور انہوں نے خوف کے مارے دروازے بھیڑ رکھے تھے۔ ہم لوگ پہاڑ کی اوٹ میں ایسے اینگل پر تھے کہ روسی سپاہی ہماری زد میں نہیں تھے۔

جب زمین پر پڑے لڑکے پر ایک سپاہی نے اپنا بوٹ رکھ کر اسے مسلا تو دوسرے نے آکر اس کے گھٹنے پر ہاتھ مارا اور پاؤں اٹھانے کے لیے کہا۔

پاؤں اٹھا تو لڑکا بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس رحمدل سپاہی نے جس نے لڑکے پر سے ٹانگ اٹھوائی تھی لڑکے کو کان سے پکڑ کر اور دو تین مرتبہ اس کے سر کو جھٹکے دے کر اسے اخروٹ کے ایک درخت کے پاس لے گیا۔ اس نے لڑکے کا سر اخروٹ کے تنے سے لگا کر جیب سے ایک کیل نکالی اور اسے لڑکے کے کان پر رکھ کر اپنی آٹومیٹک کے دستے سے اسے تنے میں ٹھونک دیا۔ لڑکے کے کان سے خون کی دھار بہہ نکلی۔

روسی سپاہی نے ہنستے ہوئے پوچھا "دوست کہ دشمن۔"

لڑکے نے ایک مرتبہ پھر تھوکا اور کہا "دشمن دشمن۔"

جب ایک سپاہی نے لڑکے کی طرف اپنی نالی کا رخ کیا تو گھروں کے اندر چھپی ہوئی عورتوں نے نالہ و فریاد سے آسمان پر اٹھا لیا..... پھر پتہ نہیں کیا ہوا میرے پاس ایک ہیولا سا لپکا اس نے میرے ہاتھ سے میری کلاشنکوف چھین کر باہر چھلانگ ماری۔

مجھے تم پنجابی لوگوں کی ایک گندی سی گالی سنائی دی۔ اس کے ساتھ عین سامنے سے کلاشنکوف چلی اور تینوں روسی فوجی آن واحد میں ڈھیر ہو گئے۔ جیپ میں بیٹھے ہوئے دونوں روسیوں نے ہماری طرف فائر کھول دیا۔ میں بے ہتھیار ہونے کی وجہ سے اور اوٹ میں ہو گیا اور میرے چاروں ساتھی دشمن پر حملہ آور ہونے کی کوشش میں ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔

پھر میں نے گرنتھی کی آواز میں "یا علی" کا ایک دیوانہ وار نعرہ سنا اور جیپ کی طرف سے فائر بند ہو گیا۔ لڑکے نے درخت سے اپنا کان چھڑوانے کے لیے سر کو زور سے جھٹکا اور پھٹا ہوا لہولہان کان لے کر میرے پاس اوٹ میں پہنچ کر اونچے اونچے روتے ہوئے بولا "دشمن فنا ہو گیا۔ ہمارے مجاہد بھی شہید ہو گئے۔ پانچوں کے پانچوں شہید۔ باجے والا جوگی بھی شہید

ہو گیا۔"

"میں تڑپ کر باہر نکلا۔ مختصر سی زمین لاشوں سے اٹی پڑی تھی۔ بھائی اقبال سنگھ گرنتھی نے میری کلاشنکوف کو مضبوطی کے ساتھ سینے سے لگایا ہوا تھا اور ان کی پگڑی کے دو تین بل کھل گئے تھے۔

جب ہم بستی کے قبرستان میں گئے تو طالوت نے ایک الگ تھلگ قبر کی طرف اشارہ کر کے کہا "لیجئے سر یہاں رہتے ہیں آپ کے مرشد۔ آپ انہیں ڈھونڈنے اتنی دور گوہاٹی جا رہے تھے۔"

میں نے طالوت کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور گم سم قبر کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے کہا "ہمیں معلوم ہے سکھ لوگ بھی اپنے مردوں کو ہندوؤں کی طرح جلاتے ہیں لیکن یہاں مشکل تھی اس لیے ہم نے ان کو بھی مجبوراً دفن کر دیا۔ انہی کپڑوں میں اور اسی لباس میں جو وہ پہنے ہوئے تھے..... اس علاقے کے لوگ اب ان کو پہلے سے بھی زیادہ یاد کرتے ہیں۔ بڑا ہی دلیر انسان تھا حالانکہ باجہ بجانے والا تھا۔"

جب میں نے اس کی کسی بات کا کوئی جواب نہ دیا تو اس نے مجھے تسلی دینے کی خاطر میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا "ہم نے ان کا کلارنٹ بھی انہی کے ساتھ دفن کر دیا! ٹھیک ہے؟"

میں نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا اور پھر ہم ہولے ہولے قدم اٹھاتے قبرستان سے باہر آ گئے۔

OCIETY.COM